آزادی کا تصور:

اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں

آزادی

از: آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

دوسری قسط

اسلام میں آزادی کی بنیاد اور اس کا مقصد:

اسلامی تہذیب وتمدن میں آزادی کی بنیاد توحیدی آفاقیت پر قائم ہے۔ درحقیقت توحید اپنے ظریف ودقیق معنی ومفہوم کے ساتھ انسان کے آزاد ہونے کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔یعنی جو شخص خدا کی وحدانیت کا معتقد ہے اور توحید کو باقاعدہ تسلیم کرتا ہے اس کا یہ فریضہ ہے کہ وہ انسان کو آزاد سمجھے پس قرآن کے مختلف سوروں میں موجود انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں (سورۂ انبیاء اور سورہ اعراف میں مختلف انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے) بیان ہوا ہے۔'' الی عاد أخاهم هودا فقال يا قوم اعبدوا الله۔"

پہلے مرحلہ میں انہیں خدا سے ڈراتا ہے اس کے بعد خداوند عالم کی اور اس کے نمائندہ کی حیثیت سے خود اپنی اطاعت کی تجویز پیش کرتا ہے۔ درحقیقت تمام پیغمبروں نے سب سے پہلے جس بات کا مطالبہ کیا ہے وہ اطاعت خداوندی ہے ۔واضح لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا کی اطاعت کیجئے اور طاغوت وغیرخدا کی ، جو لوگوں کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں، کی اطاعت سے پرہیز کیجئے۔'' ان اعبدوا الله واجتنبو الطاغوت ۔" قرآن میں یہ موضوع

اسی لفظ اور معنی ومفہوم کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ہے لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی آزادی توحید پر منحصر ہے۔

یہ نہایت وسیع اور طویل بحث ہے اور سردست مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ توحید کی اصل روح یہ ہے کہ کسی غیر خدا کی عبودیت اور بندگی کی تردید کی جائے یعنی ہر دین ومذہب اور ہر پیغمبر کی دعوت میں توحید کا نچوڑ یہ رہا ہے کہ غیر خدا کی عبادت نہ کی جائے چاہے وہ غیر خدا نمرود فرعون جیسا کوئی شخص ہو یا کوئی تنظیم و ادارہ یا خود اس شخص کی ذاتی خواہش وہوس یا غیر الٰہی روایت ورواج وغیرہ کی غیر خدا کی اطاعت وعبادت نہ کی جانی چاہیے بلکہ فقط خداوند عالم کی عبادت کرنی چاہیے۔ اطاعت خداوندی کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کی پیروی کی جائے اور اسی نظام کو تسلیم کیا جائے جو الٰہی بنیادوں پر قائم ہو اور خداوند عالم کی طرف سے بھیجے گئے پیغمبر کو بھی واجب الاطاعت سمجھا جائے اور جس کو خداوند عالم نے ولی امر قرار دیا ہے اس کو مانتے ہوئے اس کے حکم کی پیروی بھی کی جائے اور زندگی کے ہر شعبہ ومرحلہ میں ہر قسم کی نقل وحرکت کے دوران ان بنیادی باتوں کا بھرپور خیال رکھا جائے اور اس چوکھٹے کے علاوہ کسی کی اطاعت نہ کرے یعنی انسان کسی اور کا نہیں بلکہ صرف خدا کا بندہ ہونا چاہیے۔

اسلام کی آفاقیت میں انسان ایک ایسا مخلوق ہے جس میں کثیر صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ انسان علم ودانش اور حقائق خلقت کے رموز کی تحقیق کے سلسلے میں لامحدود حد تک آگے بڑھ سکتا ہے۔ معنوی مراتب اور روحانی مراحل کی سیر کرتے ہوئے وہ بہت آگے بڑھ سکتا ہے اور اس کی پرواز فرشتوں سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ اور وہ طاقت کی بلند ترین چوٹی پر پہونچ سکتا ہے۔ اگر انسان خدا کی عبادت وبندگی میں سرگرم رہے تو یہ منزلیں اس کے لئے بالکل آسان ہوجائیں گی لیکن اگر وہ غیر خدا کی عبادت کرتا ہے تو اس کی قوت پرواز سلب ہوجائے گی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں یہاں تک کہ علم ودانش کے میدان میں بھی توحید انسان کو ابتدائی مرحلہ میں ہی نظر آتی ہے اور وہ اس سے آشنا ہوجاتا ہے۔

صدر اسلام میں اگر چہ چاروں طرف جہالت اور شرک کا دوردورہ تھا پھر بھی مسلمان توحید کی طرف مائل ہوا اور اس نے ایسی آزادی اور عظمت وسربلندی حاصل کی کہ علم ودانش کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے اور وہ آگے بڑھ گیا اور اس کے پیچھے دنیا کے تمام انسان علم کی وادی میں داخل ہوگئے۔ چنانچہ آج دنیا اور انسانی معاشرہ میں علم و دانش کا جو جلوہ نظر آرہا ہے وہ درحقیقت اسلام اور ان مسلمانوں کی توحید کا مرہون منت ہے جس نے سب سے پہلے علم کی وادی میں قدم رکھا تھا۔

یہ اسلامی آزادی ہے۔ پس اسلام میں آزادی کی بنیاد انسان کی ذاتی قدروقیمت اور اس کی شخصیت سے وابستہ ہے کیونکہ وہ کسی غیر خدا کا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوتا ہے۔ اسلام میں آزادی کی اساس انسان کو طرح طرح کی آزادیاں فراہم کرتی ہے۔ اسلامی ثقافت اور تہذیب وتمدن میں آزاد انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی غیر خدا کی اطاعت وفرمانبرداری کرے کیونکہ اس نے پروردگار عالم کی اطاعت پر بھروسہ کررکھا ہے۔ پس جملہ انبیاء بالخصوص اسلام نے پروردگار کی انحصاری عبودیت اور بندگی پر بھروسہ کررکھا ہے۔قرآن مجید اہل کتاب (یہودی ونصاریٰ) کو مخاطب کرتے ہوئے اس تجویز کو پیغمبرؐ اسلام کے دور میں اس انداز میں پیش کرتا ہے" قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم ۔" یعنی اے اہل کتاب ! آؤ! ہم لوگ ایک بات پر باہم متفق ہوجائیں اور وہ بات یہ ہے کہ۔" الا نعبد الاّ اللّٰہ۔" یعنی اب ہم میں سے غیر خدا کی عبادت کوئی نہ کرے۔

یہ وہ چیز ہے جو یہودیت ، عیسائیت اور تمام ادیان الٰہی میں موجود رہی ہے۔ اسلام حقیقی اور خالق توحید کے علمبردار کی حیثیت سے بعد میں صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ ایک جملہ کہتے ہوئے خداوند عالم کی عبودیت اور بندگی کو مزید روشن اور پوری طرح واضح کردیتا ہے۔" ولانشرک بہ شیئاً۔" یعنی ہم لوگ فقط کسی شخص کو ہی نہیں بلکہ کسی چیز کو بھی خداوند عالم کا شریک نہ بنائیں۔ دوسرے لفظوں میں اپنے مطالبات اپنی خواہش وہوس، خود

پسندی وخودمحوری، ظلم واستبداد، رسومات ورولیات اور دور جاہلیت کی عادات وغیرہ غرضکہ کسی چیز کو بندگیٔ معبود کا شریک قرار نہ دیں۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے شعبہ میں بات کو اور زیادہ واضح انداز میں یوں پیش کرتا ہے۔'' ولا یتخذبعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ۔'' یعنی ہم لوگوں میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک وپروردگار اور ارباب قرار نہ دے بلکہ ہم لوگ صرف اورصرف خداوند عالم کوہی اپنا مالک وخالق ومرورقرار دیں۔ خداوند عالم کے علاوہ کوئی شخص کسی کو اپنا سرور ومردار تسلیم نہ کرے۔ یہ اسلامی نعرہ ہی نہیں بلکہ عالمی اور آفاقی منشور ہے اور ہم دنیائے بشریت کوجس آزادی کی دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر آج بھی انسان اس آزادی کی طرف متوجہ اور اس پر پوری طرح عمل پیرا ہوجائے، اگر فاسد حکومتی نظام بنی نوع انسان کے کندھوں پر سوار نہ رہیں، اگر ظالم اورخود پسند انسان پوری دنیا میں لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں، اگر دنیا کی بڑی اقتصادی کمپنیاں، بین الاقوامی تجارتی جماعتیں اور ذاتی مفاد ومصالح کی خاطر دنیا کے لاکھوں انسانوں کومظلومی اور بے سروسامانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبورکرنے والے افراد اپنی ظالمانہ روش سے باز آجائیں اور اگر دنیا کے لاکھوں مظلوم انسان ظالموں کے بوجھ کو اپنے کندھوں سے اتارپھینکیں تو یقیناً ان کو وہ آزادی حاصل ہوجائے گی جس کی اسلام تمنا کرتا ہے۔ اسلامی آزادی کا مطلب ہے غیر خدا کی غلامی اور بندگی سے مکمل نجات وآزادی اور اسلام جو انسان کو خدا کا بندہ مانتا ہے تمام ادیان ومکاتب فکر پر اسی رجحان کا حامل ہے۔

بعض ادیان میں انسان خدا کا فرزند ہے اور یہ فرزند ہونا محض تکلف کی بنیاد پر ہے۔انسان خدا کا بیٹا ہے اور دنیا کے ہزاروں دوسرے لوگوں کا غلام بھی ہے۔ آخر خدا کا بیٹا کسی انسان کا غلام کیسے ہوسکتا ہے؟ آخر یہ کیسی فرزندی ہے؟ جبکہ اسلام کہتا ہے کہ انسان فقط خدا کا بندہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم جس کے فرزند بننا چاہولیکن کسی کی غلامی و بندگی ہرگز تسلیم نہ کرواور کسی غیر خدا کی اطاعت بالکل نہ کرو۔ درحقیقت اسلامی جہاد کا مقصد بھی یہی رہا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جہاد کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں۔'' ایخرج الناس من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ ومن طاعۃ العباد الیٰ طاعۃ اللہ ومن ولایۃ العباد الیٰ ولایت اللہ۔''

غور وفکر کی ضرورت ہے کہ درحقیقت اسلامی جہاد کا مقصد بندوں کی عبادت وبندگی سے نجات فراہم کرتے ہوئے خداوند عالم کی عبادت و اطاعت کی طرف انسان کی ہدایت ورہنمائی کانام جہاد ہے اور جہاد کا مقصد ملکوں پر فتح حاصل کرنا اور مال غنیمت حاصل کرنا ہر گزنہیں ہے۔انسان دنیا کے نام نہاد مالکوں سے بے نیازی اختیار کرتے ہو مالک حقیقی کی بارگاہ عالیہ میں سرتسلیم خم کردے اسی کانام اسلامی جہاد ہے جس کے سایہ میں انسان دنیوی آقاؤں اور اپنی نامناسب وفاسد خواہشات اور غیض وغضب سے دوری وعلحدگی کے ساتھ خداوند عالم کی سرپرستی میں آجاتا ہے۔

انسان کے لئے اس سے زیادہ عظمت وبزرگی اورفخر وافتخار کی بات اورکیا ہوسکتی ہے کہ وہ بندوں کی بندگی کے بجائے بندگی معبود کا شرف حاصل کرلیتا ہے۔یہی انسان وہ مثالی اورنمونہ روزگار شخصیت ہے جو اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں آزاد ہوں۔جو انسان آزاد ہونے کا مدعی ہے درحقیقت اس کی آزادی صرف اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے دل ودماغ اور اس کی عقل وسمجھ کے تمام وسائل وامکانات پر تسلط قائم کرنے کے بعد ووٹ ڈالنے کا صندوق اس کے سامنے رکھدیتے ہیں اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ چناؤ کے میدان میں موجود امیدواروں کے درمیان میں سے کسی اور ایک امیدوار کے نام کے آگے مہر لگا کرمہر شدہ کاغذ کو صندوق میں ڈال دے بس یہی اس کی آزادی ہے جبکہ ہزاروں قسم کی غلامی کی زنجیروں نے اس کے ہاتھوں اور پیروں کو باندھ رکھا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسا شخص قطعی آزاد نہیں ہے۔آخر ایسا شخص آزادی کا دعویدار کیسے ہوسکتا ہے جبکہ کام کاج، فاسد حکومتی نظام، نفسانی خواہشات، بڑی طاقتوں کے دباؤ اوردنیا کی مختلف اقتصادی تنظیموں کے دباؤ جیسی ہزاروں زنجیروں میں بندھا

ہوا ہے۔ دنیا کی جو قومیں غلامی کی متعدد زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوں وہ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ہم آزاد ہیں؟ ان کے پاس آزادی کی دولت موجود ہے؟ آخر یہ کیسی آزادی ہے؟ یہ وہی چیز ہے جس کو اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اسلام میں آزادی کی بنیاد درحقیقت غیر خدا کی بندگی واطاعت سے انسان کی نجات وآزادی ہے جبکہ مغربی آزادی کی اساس انسانی خواہشات ومطالبات کی تکمیل ہے۔

پس دوسرا واضح فرق اسلامی آزادی کے مفہوم میں پروردگار عالم کی انحصاری بندگی اور توحید خداوندی میں پوشیدہ ہے اور یہی آزادی کی اساس وبنیاد ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انسان کے آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی غیر خدا سے تعلق رکھتا ہے چاہے قانون ہو یا آداب وعادات اور چاہے طاقت ہو یا اقتدار وحکومت سب سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے صرف خداوند عالم کے حکم کے سایہ میں زندگی بسر کی جائے اور یہ کام انسان کو عظمت وکرامت کے ساتھ حقیقی آزادی عطا کرتا ہے۔ چونکہ اسلام آزادی کے اس وسیع معنی ومفہوم کا قائل ہے اسی وجہ سے اس نے آزادی طلب جہاد کو دین کے اساسی اور بنیادی احکام کا جز قرار دیا ہے۔ اور جہاد درحقیقت اس حقیقی آزادی کو حاصل کرنے اور اسکی بھرپور حفاظت کرنے کا وسیلہ ہے۔

۳۔ آزادی کی سرحدیں:

اسلامی اور مغربی آزادی کے درمیان تیسرا فرق یہ ہے کہ اسلام میں انسان کی آزادی کو محدود کرنے والا صرف سماجی مسائل ومعاملات میں ہی نہیں ہے بلکہ یہ انسان کے انفرادی ذاتی اور خصوصی مسائل میں بھی اسکی آزادی کو محدود کرنے والا قانون کا طرفدار ہے جس کو مندرجہ ذیل عبارت میں واضح کیا جاسکتا ہے۔

مغربی تہذیب وتمدن میں قانونی آزادی کی سرحد معین کرتا ہے اور یہ قانون سماجی مسائل کو مدنظر قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ قانون کہتا ہے کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں

ہے کہ وہ اپنی آزادی کے ذریعہ دوسروں کی آزادی محدود بنادے۔لیکن اسلام انسان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سماج کی آزادی اور اپنی وسماجی فلاح وبہبود کے لئے خطرہ نہ پیدا کرے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آزادی کا استعمال کرتے ہوئے انفرادی اورسماجی فائدوں کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔

انسان کے لئے بنائے گئے قوانین کا جب تک سماج سے کوئی رابطہ نہ ہو، اس پر کوئی ذمہ داری نہیں عائد کرتا ہے ۔ اس کی توجیہ تو کی جاسکتی ہے لیکن اس کی ذمہ داری کا تعین ناممکن ہے ۔ اسلام اور دیگر تمام ادیان ومذاہب تمام لوگوں کے حقوق اور ان کی آزادی کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایک انسان کو اپنی آزادی کے بہانہ دوسروں کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بات صرف دوسروں کی آزادی تک ہی محدود نہیں بلکہ کسی انسان کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ خود اپنے ذاتی مفاد کو نقصان پہونچانے والے کام انجام دے یعنی مرد آزاد کوخود اپنی آزادی سے اپنی ذات کونقصان پہونچانے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسلام میں اپنی ذات کونقصان پہونچانا اور خودکشی اختیار کرنے کوممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی آزادی کے سایہ میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں آزاد ہوں لہٰذا اپنی ملکیت کونقصان پہونچا رہا ہوں یا اپنی سلامتی کونقصان پہونچارہاہوں یا اپنی جان کونیست ونابود کررہاہوں ۔جس طرح اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے انعال وافعال اور اقوال وکردار سے دوسروں کے حقوق اور ان کی آزادی کومحدود نہ کرے یا کوئی نقصان نہ پہونچائے بالکل اسی طرح اس پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی آزادی اور انفرادی حقوق کوبھی خطرہ میں نہ ڈالے۔

اسلامی اور دیگر مکاتب فکر کے سایہ میں پروان چڑھنے والی آزادی کے درمیان یہ ایک بنیادی سرحد ہے اور اسی وجہ سے اسلام میں ظلم کوتحمل کرنا بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی طاقت کے بوجھ کے نیچے دبارہ جائے۔ واضح رہے کہ طاقت کے بوجھ کے نیچے پڑے رہنا

چاہے وہ کسی ایک شخص سے ہی متعلق کیوں نہ ہو، حرام ہے۔ اسلام میں واجبات پر عمل نہ کرنا اور منزل کمال کی طرف پیش قدم نہ ہونا بھی حرام ہے۔ اسلام میں خود اپنی صلاحیتوں کا استعمال نہ کرنا، جبکہ اس کا تعلق سماج سے نہیں بلکہ خود اس کی ذات سے ہوتا ہے، ممنوع اور حرام ہے پس ایک شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے ذاتی اختیار کے ذریعہ اپنی آزادی کو سلب کرنا چاہتا ہوں یا اپنے آپ کو دوسرے کی تحویل میں دیدینا چاہتا ہوں یا فلاں دباؤ یا طاقت کے استعمال کو تحمل کرنا چاہتا ہوں اور اپنی مرضی سے منزل کمال کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہتا ہوں البتہ ایک نہایت اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کی آزادی کی یہ ممنوعیت خود اس کی ذات کو نقصان پہونچاتی ہے لہذا یہ ایک ذاتی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے یعنی حکومت یا قانون کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس شخص کو اس بات کے لئے مجبور کر سکے کہ وہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھائے۔ چونکہ یہ اس کی ذات سے متعلق ہے اور سماج کا اس سے سروکار نہیں ہے لہذا اس سلسلے میں اس سے کسی قسم کی بازپرس کرے۔ پس اسلام ایسے معاملات میں جس میں نقصان پہونچانے کا تعلق خود اس کی ذات سے ہوا کرتا ہے، کسی قسم کے تجسس اور تجزیہ اور تعاقب وافشاگری کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

لیکن ایک فریضہ ہونے کی وجہ سے خود خداوند عالم اس شخص کو سزا دے گا اور وہ شخص بارگاہ عالیہ خداوندی میں یقیناً جوابدہ ہوگا کیونکہ اپنی اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ قرآن انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ ”قوا انفسکم واھلیکم نارا“ یعنی خود اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کی حفاظت کرو اور انہیں الٰہی غیض وغضب کی آگ میں ہرگز جلنے نہ دو اور عذاب خداوندی میں بالکل مبتلا نہ ہونے دو۔ دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ ”یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم“ یعنی اے ایمان والو! اپنی اور اپنے عیال کی جان کی حفاظت کرو، جن کو محفوظ رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اور انہیں جہنم میں الٰہی غیض وغضب کی آگ میں جلنے اور عذاب الٰہی میں مبتلا نہ ہونے دو۔ اسی

طرح دوسری آیۂ کریمہ میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔" یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم۔" یعنی اے ایمان والو ! اپنے نفسوں کی حفاظت خودتمہاری ذمہ داری ہے۔

لیکن جہاں تک معاشرہ کو نقصان پہونچانے کا تعلق ہے عدالتی اور قانونی اداروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوئی ہے کہ وہ ان معاملات پر کڑی نظر رکھیں اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو لازمی سزا بھی دیں۔

۴۔مغربی مکتب فکر میں آزادی میں خدا اور دین کا کوئی تصور نہیں ہے جبکہ اسلام میں آزادی الٰہی بنیاد کی حامل ہے۔ اسی طرح لیبرل ازم نامی مغربی مکتب فکر میں دین اور خدا نامی حقیقتوں کا کوئی تصور نہیں ہے اسی وجہ سے یہ لوگ آزادی کو خداداد نہیں تسلیم کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی یہ کہتا ہوا نہیں نظر آتا کہ آزادی عطیۂ خداوندی ہے بلکہ آزادی کے سلسلے میں یہ لوگ ایک فلسفیانہ نظریہ کے حامل ہیں۔

اسلام میں آزادی الٰہی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ ایک بنیادی فرق واختلاف ہونے کے ساتھ ہی ساتھ دیگر اختلافات کی اساس بھی ہے۔ اسلامی منطق کے بموجب آزادی کی مخالفت درحقیقت ایک مظہر الٰہی کی مخالفت ہے یعنی مد مقابل میں ایک فریضہ آجاتا ہے اور آزادی کے مخالف کو مظہر الٰہی سے ٹکرانا پڑتا ہے لیکن مغربی دنیا میں اور مغربی مکتب فکر میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی دنیا میں آزادی کی خاطر جو سماجی جدوجہد کی جاتی ہے وہ مغربی لیبرل ازم سے وابستہ فکر کے مطابق کسی منطق کی حامل نہیں ہے۔ مثلاً ''عوامی فلاح وبہبود'' اور'' اکثریت کی بھلائی ، کو سماجی آزادی کی بنیاد بناکر پیش تو کیا جاتا ہے لیکن ان افکار وعقائد کے سایہ میں جدوجہد کرنے والے میدان عمل سے باہر آتے ہی اس شک میں مبتلا ہوجائیں گے کہ میدان جہاد میں آخر میں ہی کیوں جاؤں اور میں ہی کیوں قتل ہوجاؤں ؟ لیکن اسلامی افکار وعقائد میں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آزادی کے لئے کی جانے والی جدوجہد درحقیقت ایسی جدوجہد کا نام ہے جو ایک حکم الٰہی کے لئے کی جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے اگر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی

شخص کو لوگ قتل کرنے والے ہیں تو آپ کا یہ فریضہ ہے کہ اس کی مدد کریں اور اگر آپ نے مظلوم کی مدد وحمایت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے گناہ کیا ہے کیونکہ دینی فریضہ کو انجام نہ دینا کارگناہ ہے۔ پس آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی ایک دینی فریضہ ہے اور اس فریضہ کو ادا کرنا لازم ہے۔

اس بنیادی اختلاف کی بنیاد پر دیگر اختلاف مرتب ہوتے ہیں مثلاً مغربی لیبرل ازم میں حقیقت اور اخلاقی قدروں کی نسبی حیثیت کی وجہ سے لامحدود ''آزادی'' کا تصور پایا جاتا ہے۔ آپ بہت سی اخلاقی قدروں سے واقف ہیں لیکن آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اخلاقی قدروں اور معیاروں کی خلاف ورزی کرنیوالے پر اعتراض یا لعنت ملامت کریں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مذکورہ اخلاقی معیار کا معتقد نہ ہو۔ پس مغربی مکتب فکر میں آزادی کی کوئی حد معین نہیں ہے۔

اسلام میں ''آزادی'' کا یہ رنگ وروپ نہیں ہے۔ اسلام میں ایسی مسلم اور دائمی قدریں پائی جاتی ہیں جن کی طرف بڑھنا ہی باعث کمال اور ارزش آفرین ہے۔ پس آزادی کی حدیں بھی ان قدروں کے ساتھ محدود ہوجاتی ہیں لیکن ان اخلاقی قدروں اور معیاروں کو کیسے سمجھا جائے یہ ایک الگ بات ہے۔ یہی ''سماجی آزادی جس کو اسلامی مکتب فکر میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اگر کسی قوم کی روحانی یا مادی قدروں کی نابودی کیلئے استعمال کی جارہی ہے تو یہ ایک نقصان دہ عمل ہے چاہے اس کو کسی ایک فرد یا شخص کے خلاف ہی کیوں نہ استعمال کیا گیا ہو۔'' من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔''

قرآنی منطق میں ایک آدمی کو قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کردینے کے برابر ہے۔ یہ بات نہایت عجیب وحیرت انگیز ہے کیونکہ یہ انسانیت کے دائرہ کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ استثنا موجود ہے کہ ''بغیر نفس اوفساد فی الارض۔'' یعنی سوائے اس شخص کے جس نے خودکسی کی جان لی ہو یا روئے زمین پر فساد اور بدعنوانی پھیلائی ہو۔ پس دائمی اور

مسلم حقائق اور اقدار اس آزادی کو محدود کر دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے یہ حق حیات کو بھی محدود کر دیتے ہیں یعنی اسلام جس ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اس کا بے گناہ ہونا لازمی ہے۔

۵۔ مغرب میں آزادی کی حد مادی فوائد اور اسلام میں روحانی اقدار ہیں:

مغربی مکتب فکر میں آزادی کی حد مادی فائدہ کو قرار دیا گیا ہے ابتدائی مرحلہ میں انفرادی اور سماجی آزادیوں کے لئے ان لوگوں نے پابندیاں لگادیں۔ جیسے ہی مادی فائدہ کے لئے خطرہ لاحق ہوا یہ لوگ فوری طور پر آزادی کو محدود کر دیتے ہیں۔ مادی فوائد میں مثلاً ان ملکوں کی عظمت اور ان کا علمی رعب ودبدبہ بھی شامل ہے۔ تعلیم وتربیت ایک ایسی چیز ہے جس میں آزادی انسانوں کا بنیادی حق ہے۔ تمام انسانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں لیکن تعلیمی شعبہ کی یہ آزادی مغربی دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں میں محدود ہوجاتی ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اونچی سطح کی تکنیکی مہارت کو منتقل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی محدودیت کی بنیاد پر بعض ملکوں میں تکنیکی مہارت (HIGH TECH) کو منتقل کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ اگر ان ملکوں کو مطلوبہ تکنیکی مہارت حاصل ہوگئی تو وہ اس ملک پر منحصر نہ رہ جائیں گے اور متعلقہ ملک پر طاقتور ملک کا مادی دباؤ ختم ہوجائے گا۔

اس منزل پر پہونچتے ہی آزادی کی حد معین ہوجاتی ہے۔ یعنی یونیورسٹی یا تحقیقی مرکز سے وابستہ پروفیسر کو یہ حق حاصل نہیں رہ جاتا کہ وہ تیسری دنیا یعنی ایران یا چین کے کسی طالب علم کو فلاں علمی راز سے آگاہ کرسکے۔ اطلاعات اور خبروں کے انتقال کے سلسلے میں بھی آزادی کا یہی حال ہے۔ آج دنیا کے ہر گوشے میں اطلاعات واخبار کی آزادی کا چرچا سنائی دے رہا ہے۔ یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ لوگوں کو اطلاعات حاصل کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ مغربی دنیا میں جس آزادی کا ڈھول پیٹا جارہا ہے اس میں اخبار اور اطلاعات حاصل

کرنے کی آزادی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے لیکن عراق پر حالیہ امریکی حملے کے دوران ایک ہفتہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ دنوں کے لئے خبروں کے انتقال پر زبردست پابندی لگادی گئی تاکہ دنیا والوں کو یہ معلوم نہ ہوسکے اس مدت میں عراق میں کیا ہوا؟ چنانچہ دنیا والے امریکی حملات کے دوران رونما ہونے والے حالات وحوادث سے ناواقف رہ گئے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اطلاعات کی آزادی کی وجہ سے فوجی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا ہوسکتا تھا اور اس طرح فوجی سلامتی کے نام پر آزادی کے حق کو محدود کردیا گیا یا یہ کہا جائے کہ آزادی کی راہ میں ایک دیوار کھڑی کردی گئی۔ حکومت کی بنیادوں کا استحکام بھی دوسری سرحد ہے۔ چند سال قبل امریکہ میں ایک ایسی جماعت رونما ہوئی جس سے وابستہ افراد نے مخصوص مذہبی رجحانات کی وجہ سے امریکی حکومت کے خلاف اقدام کر دیا۔ ان لوگوں کی روک تھام کے لئے متعدد انتظامی اور امنیتی قدم اٹھائے گئے لیکن ان کا کوئی فائدہ نہ ہوا لہٰذا امریکی سلامتی ادارہ سے وابستہ افسروں نے اس گھر کا محاصرہ کرولیا جس میں یہ تمام لوگ جمع تھے۔ اس کے بعد اس گھر کو آگ لگادی گئی اور اس میں موجود تقریباً ۸۰ لوگ جل کر راکھ ہوگئے۔ پس زندہ رہنے کی آزادی، مطلوبہ عقیدہ کی پیروی کی آزادی اور سیاسی جدوجہد کی آزادی اس حد تک محدود ہوجایا کرتی ہے۔

معلوم ہوا کہ مغرب کی مادی دنیا میں بھی آزادی حدود وسرحدوں کی حامل ہے لیکن یہ سرحدیں مادی نوعیت کی حامل ہیں اور اخلاقی قدریں ان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی ہیں۔ مثلاً ہم جنس بازی کی تحریک امریکہ کی مشہور تحریکوں میں سے ایک ہے اور وہ لوگ اس تحریک پر فخر بھی کرتے ہیں اور جو لوگ اس تحریک کے مخالف ہیں ان پر بعض اخبارات اور رسالوں میں شدید اعتراضات شائع کئے جاتے ہیں یعنی اخلاقی قدریں ان لوگوں کی آزادی کی کوئی حد معین کرنے سے عاجز وقاصر نظر آتی ہیں۔

دوسری مثال یوروپی ممالک کی ہے۔ مثلاً آزادی بیان فسطائیت کے مفاد میں کئے

جانے والے پروپگنڈہ تک محدود ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مادی اور حکومتی امر ہے لیکن عریانیت کی کوئی حد معین نہیں ہے۔یعنی مغربی لیبرل ازم میں آزادی کی سرحدیں اپنی تمام فلسفیانہ اورنظریاتی اساس وبنیاد کے ساتھ فقط مادیت کی سرحدوں تک ہی محدود رہ جاتی ہیں اور اخلاقی قدروں سے اس کا کوئی سروکارنہیں ہے لیکن اسلام میں اخلاقی سرحدیں پائی جاتی ہیں۔ اسلام میں آزادی اپنی مادی سرحدوں کے ساتھ ہی ساتھ روحانی اورمعنوی سرحدوں کی بھی حامل ہے۔ اگر کوئی شخص یا ادارہ آزادی کے نام پرملکی اورقومی مفاد کے خلاف اقدام کرتا ہے تو اس کی آزادی محدود ہوجاتی ہے۔ یہ ایک منطقی عمل ہے تاہم معنوی اور روحانی سرحدیں موجود ہیں۔

اگر کوئی شخص گمراہ عقیدہ رکھتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بارگاہ خداوندی اور نگاہ مومن میں یہ بات بہرحال عیب ہے جبکہ اس شخص کے سلسلے میں حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔مسلمانوں ، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب میں ایسے لوگ بہت ہیں اورسردست ہمارے ملک میں موجود ہیں اور صدر اسلام میں بھی ایسے افراد موجود تھے۔ ان لوگوں کی موجودگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر فاسدعقیدہ رکھنے والاشخص دفاعی صلاحیت سے عاجز لوگوں کی جان کے پیچھے پڑجاتا ہے اور اپنے فاسد خیالات کو مسلط کرکے انھیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی آزادی محدود ہوجاتی ہے۔ یا اگر لوگ فاسد افکار وعقائد اعمال کی تبلیغ واشاعت چاہتے ہیں یا جنسی سیاسی اورفکری فساد اور بدعوانیوں کی ترویج کے متمنی ہیں یا ملک کے مختلف حصوں میں موجود نام نہاد فلسفی حضرات اس موضوع پر ''اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بے سود ہے'' جیسے موضوع پر مقالہ شائع کرکے تعلیم کے فروغ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اپنے دلائل کے ذریعہ نوجوان نسل کو علم سے دوراورتنفر کرنا چاہتے ہیں تو آزادی بیان کے نام پر انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اسلام میں دروغگوئی کو آزادی نہیں تسلیم کیاجاسکتا اور اسلام میں جھوٹی اور بے بنیاد تبلیغات کا گزرنہیں ہے اور جھوٹ وبدگمانی کے پروپگنڈہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

میری مودبانہ شکایت یہ ہے کہ آزادی کے مسائل کے سلسلے میں اسلامی مباحث اور مستند وبنیادی اصولوں کی طرف کیوں رجوع نہیں کیا جاتا ہے۔قرآن سورۂ احزاب کی آیہ نمبر ۶۰ میں ارشاد فرماتا ہے کہ ’’ لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم۔‘‘

جھوٹے اور بے بنیاد پروپگنڈہ کرنے والے منافقوں اور بیماردل لوگوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ افواہ بازی میں لگے ہوئے لوگ عوام کو مسلسل خوفزدہ کرتے رہتے ہیں ہم ایک نوتشکیل شدہ اسلامی معاشرہ میں زندگی بسر کررہے ہیں اور ہمارے دشمنوں کی ایک بڑی تعداد ہمارے اردگرد جمع ہے۔ ایسے ماحول میں ہمیں قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبوی کے سایہ میں ہم لوگوں کو روحانی اور معنوی اعتبار سے اس عظیم اور انسانی وعوامی ملک ونظام حکومت کی حفاظت کے لئے ہمہ تن آمادہ رہنا چاہئے لیکن ایسے عالم میں مٹھی بھر افراد ایسے بھی ہیں جو جونک کی طرح عوام کی جان سے لپٹے ہوئے ہیں اور لوگوں کے حوصلے پست کرنے میں سرگرم ہیں۔پس قرآنی اصطلاح میں یہی لوگ ’’مرجوف‘‘ یعنی افواہ باز ہیں اور اپنے جھوٹے پروپگنڈوں کے ذریعہ لوگوں کو لگاتار خوفزدہ اور مایوس وناامید کرتے ہوئے انھیں ہر ممکن اقدام سے باز رکھتے ہیں۔قرآنی احکام کی روشنی میں اگر یہ لوگ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتے تو ان کی جان کے پیچھے پڑنا ہوگا اور یہی آزادی کی سرحد ہے۔ پس اسلامی منطق کی روشنی میں آزادی معنوی اقدار پر مشتمل سرحد کی حامل ہے جس کا مغربی آزادی میں کوئی تصور بھی نہیں ہے۔

۶۔ مغربی آزادی فرض مخالف اور اسلامی آزادی فرض پر منحصر ہے:

مغربی لیبرل افکار وعقائد کی روشنی میں حاصل ہونے والی آزادی درحقیقت فرض مخالف ہے کیونکہ اس میں آزادی کا مطلب ہے فرائض سے آزادی۔لیکن اسلام میں آزادی فرض کے سکہ

کا دوسرا رخ ہے۔ مکلّف ہونے کی وجہ سے ہی انسان آزاد ہیں اگر مکلّف نہ ہوتے تو آزادی کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ فرشتوں کی طرح ہوتے۔ بقول مولانا روم :-

در حدیث آمد کہ خلاق مجید
خلق عالم را سہ گونہ آفرید
یک گروہ را جملہ عقل و علم وجود
آن فرشتہ است و نداند جز سجود

یعنی حدیث میں منقول ہے کہ خداوند عالم نے دنیا میں تین طرح کی مخلوق خلق کی ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت کو مکمل عقل وعلم وسخاوت عطا کردی۔ وہ فرشتوں کی جماعت ہے جو سجدہ کے علاوہ کچھ نہیں جانتی۔

انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مخالف ومتضاد خواہشات وخیالات کا ایسا مجموعہ ہے جو مکلّف بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ ان متضاد وخواہشات وخیالات کے درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے اسے منزل کمال طے کرنی ہے اور اس راہ کمال کو طے کرنے کے لئے اسے آزادی عطا کی گئی ہے عظمت واہمیت کی حامل یہ آزادی منزل کمال حاصل کرنے کے لئے ہے اور اگر حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو انسانی زندگی کا مقصد بھی منزل کمال حاصل کرنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ ''وماخلقت الجنّ والانس الّالیعبدون۔'' یعنی ارشاد عالیہ الٰہی کے بموجب انسان اور جن کی تخلیق اس مقصد کے لئے کی گئی ہے کہ وہ عبودیت وبندگی معبود کا عظیم مرتبہ حاصل کرسکیں۔ حق حیات کی طرح آزادی بھی عبودیت اور بندگی کا مقدمہ ہے۔

مغرب میں فرض کی تردید میں لوگ اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ بات فقط مذہبی افکار وعقائد کی تردید تک محدود نہیں رہ گئی بلکہ یہ لوگ ایسے تمام غیر مذہبی افکار وعقائد کی بھی تردید کرتے ہیں جن میں فرائض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے کی بات کہی گئی ہے۔ سردست لیبرل ازم کی طرفداری کرنے والے امریکی ماہرین قلم یا امریکہ

کو اپنا پیغمبر سمجھنے والے دیگر مصنفین یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ مغربی آزادی درحقیقت چاہئے اور نہ چاہئے اور کسی دوسرے مکتب فکر کی پابندیوں کی اعلانیہ تردید کرتی ہے جبکہ اسلام اور اسلامی آزادی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام میں انسان آزادی فرائض سے جڑی ہوئی ہے تا کہ وہ اس آزادی کے سایہ میں اپنے فرائض کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکے۔ عظیم کارنامے اور عظیم انتخاب انجام دے سکے اور اپنے اعمال وافعال کے سہارے منزل کمال کی طرف پیش قدم رہ سکے۔

ان اختلافات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اجمالی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج دنیا میں آزادی کا جو درخشاں مفہوم پیش کیا جارہا ہے کہ یعنی بندگیوں اور غلامیوں سے آزادی ونجات اور انسانی ارادہ کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھنا۔ واضح رہے کہ آزادی کا موجودہ درخشاں مفہوم ہی اسلامی آزادی کا مفہوم ومقصود ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ دو تین صدیوں پہلے آزادی کے اس معنی ومفہوم کی ایجاد عمل میں آئی ہے وہ درحقیقت آزادی اور اس سے وابستہ حقائق سے قطعی ناواقف ہیں۔

اسلام میں آزادی فکر وعقیدہ اور اس کے تین نکاتی مراکز:

آزادی کی قسمیں اور اس کی فراہمی میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں:

اسلامی نقطہ نظر سے آزادی اور آزادی کی بنیادوں کی مکمل وضاحت کے بعد آزادی سے وابستہ دیگر عناوین کے سلسلے میں بحث وتجزیہ لازمی معلوم ہوتا ہے جو آزادی کے بنیادی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں اور جن کی صرف اسلامی علوم ومعارف میں ہی نہیں بلکہ علوم ومعارف میں بھی بڑی اہمیت ہے۔

فکر وعقیدہ کی آزادی:

صرف مذہب اسلام میں ہی نہیں بلکہ موجودہ عالمی تہذیب وتمدن میں بھی اس بحث کو

غیر معمولی اہمیت حاصل ہے جس کا مختصر ڈھانچہ حاضر خدمت ہے۔

فکر وعقیدہ اور مذہب کی آزادی آج ایک تسلیم شدہ عالمی نعرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی آج دنیا میں صورتحال ایسی ہے کہ وہ حکومتیں اور وہ ممالک جن کی نگاہوں میں آزادی کی کوئی قیمت نہیں ہے اور مختلف مواقع پر آزادی فکر کو اعلانیہ پامال کر چکے ہیں، آج آزادی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں اور فکر وعقیدہ ومذہب کے شعبہ میں آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور کبھی کبھی ایسے نمائشی مظاہروں کا اہتمام بھی کرتے ہیں جن کے ذریعہ یہ ثابت کر سکیں کہ ان ملکوں میں مذہبی اور فکری آزادی کا بول بالا ہے۔ مثلاً مذہب اسلام اور اسلامی عقیدہ کو حساسیت کی نگاہ سے دیکھنے والے ملکوں میں کچھ بناوٹی اور ظاہر سازی پر مبنی کام انجام دئے جاتے ہیں تا کہ دنیا والوں پر یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس ملک میں فکر وعقیدہ کی آزادی موجود ہے۔

اس موقع پر میں اسلام میں آزادی کے تین محوروں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا محور:

اسلام میں غور وفکر کو واجب ولازم قرار دیا گیا ہے۔ بنیادی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام میں نہ صرف یہ کہ غور وفکر کرنے کی آزادی ہے بلکہ یہ امر واجب ولازم بھی ہے۔ جملہ آسمانی کتب اور مذہبی تالیفات کے درمیان شاید ہی ایسی کوئی کتاب پائی جاتی ہو جس میں قرآن مجید کی طرح نبی نوع انسان کو مظاہر زندگی انسان کے مادی ومعمولی امور اور تاریخ کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہو بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اصول دین کے بارے میں غور وفکر کرنا واجب ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ توحید ونبوت اور دیگر اصول دین کے بارے میں ایک استدلال کی تلاش کرنا ہر مسلمان کے لئے واجب ولازم ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذہبی امور میں غور وفکر کرتے ہوئے شک وشبہ کا شکار ہو جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے یہ کوئی نا مناسب بات نہیں ہے لیکن اس کو شک وتردید میں پڑا نہ رہنا چاہئے بلکہ مطالعہ وغور وفکر اور تجزیہ وجستجو کے ذریعہ مکمل ومستحکم یقین واعتماد حاصل کرنے کی

کوشش کرنی چاہیے لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں کسی اصول دین کے سلسلے میں شک پیدا ہو جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ مذہب اسلام میں اس کو دین کی سرحد اور ممنوع نہیں قرار دیا گیا بلکہ یہ ایک اختیاری امر ہے جس کو منع بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ رسول مقبول اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی خدمت میں آتے ہیں اور گلہ کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ذہن میں بعض اصول دین کے سلسلے میں شک پیدا ہوگیا ہے مثلاً خداوند عالم کی وحدانیت یا وجود خداوندی کے سلسلے میں شک پیدا ہوجانے کی وجہ سے ہم لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اس ذہنی وسوسہ اور شک کی وجہ سے دین سے خارج ہوگئے ہیں۔ ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے کہ نہیں، یہ دین سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ ایسے افراد کی رہنمائی کی جانی چاہیے اور ان لوگوں کو مطالعہ وتحقیق میں سرگرم رہنا چاہیے۔

کوئی شخص پیغمبر اکرمؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ! ھلکت۔" یعنی میں ہلاک ہوگیا۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ شخص اپنے اسلامی مطالعات کے دوران ذہنی الجھاؤ میں مبتلا ہوگیا ہے۔ لہذا آپ نے اس کے ذہنی الجھاؤ اور وسوسہ کو علمی دلائل کے ذریعہ دور کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہذا محض الایمان۔" عین وخالص ایمان یہی ہے کہ تم دینی مسائل کے بارے میں غور وفکر کرو، ان مسائل کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو اور اس شک کو دور کرنے کے لئے صاحبان علم سے رابطہ قائم کرو۔ پس یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مذہبی امور ومسائل کے بارے میں، چاہے وہ مستحکم اور ثابت شدہ اصول دین کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو، غور وفکر کرنا ممنوع نہیں بلکہ لازمی اور ضروری ہے اور غور وفکر کے دوران اگر کسی اصول دین کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہوجائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حدیث رفع کی طرف اشارہ: مشہور ومعروف حدیث "رفع" میں ارشاد نبوی ہوتا ہے کہ میری امت سے نو چیزوں کے بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور ان میں سے ایک چیز

''الوسوسة فی التفکر فی الخلق ۔'' یعنی دنیا اور اس کی تخلیق کے سلسلے میں انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسہ کو مذموم ،ممنوع اورمواخذہ کا سبب قرار نہیں دیا گیا ہے۔

دوسرا محور:

مذہبی عقیدہ کا حامل ہونا۔ اسلام میں کسی ایسے عقیدہ کا حامل ہونا ممنوع نہیں ہے جو اسلامی عقیدہ سے ٹکراؤ نہ رکھتا ہو۔ زیادہ واضح لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی معاشرہ میں غیر اسلامی عقیدہ کا حامل ہے اور وہ اسلام کی مخالفت اور اسلامی نظام سے عداوت ودشمنی نہیں رکھتا ہے تو اسلامی معاشرہ میں ایسے شخص کی موجودگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پس اسلامی معاشرہ میں یہودی ، عیسائی ، زرتشتی اور دیگر مذاہب کے لوگ ، مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی، شاندار زندگی بسر کررہے ہیں اور آئین کی دفعہ ۲۳ کے بموجب جملہ حقوق کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کررہے ہیں اور اپنے دینی عقیدہ کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہیں کیونکہ مذہب اسلام میں دوسرے عقیدہ کا حامل ہونا ممنوع نہیں ہے۔

آیہ مبارکہ ''لااکراہ فی الدین ۔'' کی تفسیر میں لکھا ہے یثرب میں پیغمبرؐ کی آمد سے قبل اس شہر کے کچھ نوجوان شہر کے اطراف میں آباد یہودیوں کے ساتھ جو کفار ومشرکین سے زیادہ مہذب تھے، گھل مل گئے تھے، ابھی اس شہر کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسے مدینہ نہیں بلکہ یثرب کہا جاتا تھا ۔ ان میں سے بعض نوجوان اپنی جوانی کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ان یہودیوں کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ ان میں سے کچھ نے یہودیت قبول کرلی تھی اور کچھ یہودی نہیں ہوئے تھے۔ پیغمبر اکرم کی اس شہر میں آمد کے بعد یثرب مدینہ رسول میں تبدیل ہوگیا اور یہاں کے لوگ مسلمان ہوگئے۔ پیغمبرؐ نے چند برسوں تک مدینہ اور اس کے اطراف میں مقیم یہودیوں کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا لیکن جب قبیلہ بنی النضیر نے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے خلاف سازش کی تو خداوند عالم نے حکم دیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں کو مدینہ کے اطراف سے دور ہٹادیں۔ پیغمبرؐ اکرم نے سورہ حشر میں موجود حکم خداوندی کے

بموجب ان یہودیوں کو مدینہ کے اطراف سے باہر نکال دیا اور قبیلہ بنی النضیر کے لوگ اس علاقے سے چلے گئے ۔ بعض ایسے نوجوان، جن کے گھر والے تو مسلمان ہوگئے تھے لیکن وہ خود ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، یہ کہنے لگے کہ وہ بھی یہودیوں کے ہمراہ اس علاقے سے باہر چلے جائیں لیکن ان کے گھر والے اس بات پر راضی نہیں تھے اور ان نوجوانوں پر یہ دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ اس موقع پر یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔ ''لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ مذہبی اعتقاد و ایمان میں جبر و اکراہ کی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ آج لوگوں پر حقیقت پوشیدہ نہیں رہ گئی بلکہ راہ اسلام اور راہ ہدایت پوری طرح واضح اور نمایاں ہوچکی ہے لہٰذا آپ لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں رہ گیا کہ آپ ان نوجوانوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیجئے۔ یہ لوگ اسلام قبول کئے بغیر بھی ہم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

البتہ اس بات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کہ آزادی ایمان وعقیدہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام اس بات پر راضی ہے کہ کچھ لوگ عقیدہ حق سے دور اور بیگانہ نہ رہ جائیں بلکہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک کوئی عقیدہ اسلامی نظام کی مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی نہیں کرتا ہے اس سے کوئی مواخذہ اور اس کے خلاف کوئی اقدام نہ ہوگا۔

تیسرا محور سیاسی فکرونظریہ:

اسلامی معاشرہ میں سیاسی افکار ومیلانات کی آزادی ہے اور کسی شخص کو اس کے مخصوص سیاسی یا علمی نظریہ کی وجہ سے پریشان نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی آدمی کو اس کے ذاتی سیاسی عقائد کی وجہ سے دباؤ میں رکھا جائے۔ قرون وسطیٰ میں یوروپ میں جو چیز رائج تھی کہ دانشمند افراد کو ان کی مخصوص علمی تحقیق کی وجہ یا دانشوروں کو ان کے مخصوص سیاسی نظریہ کی وجہ سے مختلف انوع دباؤ اور مظالم کا شکار بنایا جاتا تھا اور بعض لوگوں کو قتل بھی کردیا جاتا تھا جبکہ اسلام میں اس طرح کی کوئی بھی ظالمانہ روش موجود نہیں ہے

اور مسلمانوں کو اس قسم کی سختی کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بنیادی طور پر مذہب اسلام میں عقیدہ کے بارے میں تفتیش کی اجازت نہیں ہے یعنی کسی شخص پر دباؤ ڈال کر اس سے یہ نہیں معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں واقعہ کے سلسلے میں تیرا عقیدہ کیا ہے؟ یا فلاں مذہبی عقیدہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ یہ ایک غلط اور اعتراض آمیز بات ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کر کے اس کو نقصان پہونچایا جائے۔ یہ وہی بات ہے جو یورپ میں پوری طرح رائج تھی اور یوروپ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ وہ کسی نئی چیز کا خالق و محقق بن گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام میں اس قسم کے مسائل کا کوئی وجود نہیں تھا۔

البتہ مختلف تاریخی ادوار خواہ بنی امیہ کا دور حکومت ہو یا بنی عباس کا یا سلاطین سلجوقیہ کا عہد حکومت رہا ہو یا غزنوی دور حکومت، خود ہمارے ملک ایران میں گوناگوں عقائد کے خلاف جدوجہد وجبر وآزمائی کا بازار گرم رہا ہے لیکن اس سرگرمی کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ واضح رہے کہ سلطان محمود غزنوی کے اسلام کی مثال عصر حاضر کے اکثر مسلم حکمرانوں جیسی ہے جس کو حقیقی اسلام کی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ مذہب اسلام سیاسی عقائد کے سلسلے میں سخت گیری کی اجازت نہیں دیتا ہے اور اسلام میں عقائد کی تفتیش ممنوع ہے۔

مذہبی عقائد کی آزادی اور اس کا صحیح مفہوم:

دوسرے محور یعنی مذہبی عقائد کی آزادی کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ طولانی بحث کی جائے کیونکہ یہ موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ ہے اور عالمی سطح پر اس موضوع کے بارے میں گفتگو جاری ہے لہذا اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا بھرپور اور محققانہ تجزیہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مذہب اسلام میں عقیدہ کی آزادی کو اہم اور بنیادی مسئلہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں اسلامی مفکرین کے خیالات کو مجموعی شکل وصورت میں نہیں پیش کیا جاسکا ہے البتہ بعض مفکرین اور محققین نے اس موضوع کا تجزیہ کیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اس سلسلے

میں اسلامی مفکرین کی بحث کافی نہیں ہے بلکہ اس کا مزید اور دقیق تجزیہ موجودہ زمانہ کی اہم ضرورت ہے بعض مفکرین نے مغربی دنیا میں موجود عقیدہ کی آزادی کے زیر اثر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہر عقیدہ لائق احترام ہے اور کسی بھی عقیدہ کی مخالفت اور اس میں پائی جانے والی خرابی کے خلاف اعتراض نہ کرنا چاہئے۔ یہ خاص مغربی نظریہ ہے اور بعض اسلامی محققین ومفکرین نے اسلامی نظریہ کو مغربی نظریہ سے جوڑ دیا ہے۔ دوسری طرف بعض دیگر مفکرین نے قرآن مجید کی آیات کریمہ اور دینی روایات کی روشنی میں بہت محدود اور تنگ بنادیا ہے اور مجموعی اعتبار سے آزاد مذہبی عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے دور اور حقیقی اسلامی عقیدہ کے خلاف مانتے ہیں۔

بہر حال اس سلسلے میں بعض قرآنی آیات، دینی روایات اور بزرگان دین کے ارشادات کے مطالعہ کی روشنی میں میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ ابھی اس موضوع پر مزید بحث ومباحثہ، عمیق مطالعہ اور تبادلۂ خیال کی ضرورت ہے البتہ اس موقع پر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ بحث وگفتگو کا دروازہ بند نہیں ہے اور اسی اصول کی بنیاد پر میں سردست اسلامی اور شرعی ماخذ ومدارک سے استفادہ میں سرگرم ہوں:

اولاً، قلبی عقیدہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو طاقت اور دباؤ کا نشانہ بنایا جاسکے۔ عقیدہ طاقت سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا بلکہ عمل کو طاقت اور دباؤ کے ذریعہ متاثر کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی عمل وذاتی روش کو طاقت، دباؤ اور تسلط کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور اس کے قلبی عقیدہ کو نہیں۔ پس قرون وسطی میں یوروپ میں لوگوں کے مذہبی، سیاسی، سماجی اور علمی عقائد کے سلسلے میں ہزاروں افراد کے قتل اور آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان دوسرے ہزاروں لوگوں کی خوفناک نابودی جیسی سخت گیریوں کے باوجود ان مذہبی عقائد کو نہ معدوم کیا جاسکا اور نہ منسوخ بلکہ تاریخ میں موجود دباؤ کا شکار ہونے والے دیگر عقیدوں کی طرح وہ عقائد باقی رہ گئے۔ پس معلوم ہوا کہ عقیدہ پر طاقت اور دباؤ کا اثر ہونے والا نہیں ہے بلکہ اس کو مخصوص وسائل کے ذریعہ ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے یا کسی کے دل میں اس

کی تخلیق وایجاد کی جاسکتی ہے ۔ ایک جملے میں ہم اپنی بات یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں عقیدہ آزاد ہے لیکن اس آزادیٔ عقیدہ کی توضیح وتفسیر کی جانی چاہئے۔ آزادی عقیدہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے یا اس بات کو جائز تسلیم کرتا ہے کہ انسان حق اور درست سوجھ بوجھ پر مشتمل اپنے عقیدہ سے منحرف ہوجائیں اور اس کی جگہ پر ایک باطل ، نامناسب اور غلط اعتقاد کو اپنے دل میں بسالیں۔ اگر کوئی شخص یہ بات کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ درست موقف کا حامل نہیں ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ دیگر اعضاء وجوارح کی طرح انسانی قلب فکر پر بھی کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جن کے بارے میں روایات میں باقاعدہ اشارہ کیا گیا ہے اور وہ فریضہ و ذمہ داری یہ ہے کہ وحدانیت اور دیگر اعلیٰ صفات کے ساتھ وہ خداوند عالم کی معرفت رکھتا ہو اور نبوت و قیامت اور دیگر اسلامی معارف کے سلسلے میں وہ درست اور حق عقیدہ کو قبول کرتا ہو اور اس سلسلے میں طاقت اور دباؤ وغیرہ سے ہر گز متاثر نہ ہو۔ پس اسلام میں عقیدہ کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں موجود مختلف مذہبی عقائد میں سے کسی من پسند مذہبی عقیدہ کا انتخاب کرلیا جائے بلکہ اسلامی علوم ومعارف اور اصول احکام میں حق وصداقت پر مبنی اعتقاد کا آزادانہ انتخاب ہی عقیدہ کی آزادی ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود اگر کسی شخص نے اپنے اسلامی اور قلبی عقیدہ کو انجام نہیں دیا اور غلط وباطل عقیدہ کو اپنے مذہبی اعتقاد کی حیثیت سے انتخاب کرلیا تو اس کو ناپسند اور نامناسب سمجھتے ہوئے بھی اسلام اس باطل وغلط اعتقاد کے حامل شخص کو نہ صرف حق زندگی سے محروم نہیں قرار دیتا ہے بلکہ متعلقہ سماج کے قوانین کی پیروی کرتے ہوئے اس کے سماجی حقوق کو بھی محترم تسلیم کرتا ہے۔

آزادی عقیدہ کا درست مفہوم:

پس اسلام میں آزادیٔ عقیدہ کا درست مطلب ومفہوم یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی شخص کو غلط اور باطل عقیدہ کا حامل ہونے کی وجہ سے دباؤ اور طاقت کا شکار نہیں بنایا جاتا

ہے بلکہ اسلامی معاشرہ میں کافروں اور ان تمام لوگوں کے وجود کا تحمل کیا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے معتقد نہیں ہوتے بلکہ اسلامی عقائد کے دائرہ سے باہر ہوا کرتے ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ ان غیر مسلموں کو، بشرطیکہ وہ اس معاشرہ کی سماجی زندگی کے قائل ہوں، امن وسلامتی اور دیگر سماجی حقوق بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔

اپنے ایک خطبہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام شہر ابناء اموی سپاہیوں کے حملے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:- بلغنی انّ الرجل منهم ليدخل على المراة المسلمة والاخرى المعاهدة ۔یعنی میں نے سنا ہے کہ یہ حملہ آور لٹیرے مسلمان یا اہل کتاب غیر مسلم خاتون کے گھر میں گھس کر ان کے سونے کے قیمتی دست بند، پازیب اور دوسرے زیورات ان کے ہاتھوں اور پیروں سے اتار لیتے ہیں۔ اپنے اس بیان کے آخری حصہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پرچم اسلام کے سایہ میں زندگی بسر کرنے والی مسلم یا یہودی یا عیسائی خاتون کے گھر پر حملہ آوروں اور دشمنوں کے حملات کے صدمہ وغم میں اگر کسی مسلمان کا دم نکل جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

کچھ قابل توجہ باتیں:

اس کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری باتوں کو بھی جان لینا چاہیے۔پہلی بات یہ ہے کہ اسلام عقیدہ کے سلسلے میں زیادہ حساسیت سے کام نہیں لیتا ہے لیکن عقیدہ کے مطابق انسان کا جو عمل ظاہر ہوتا ہے اگر وہ اسلامی نظام کے مصالح کے خلاف ہوتا ہے تو اسلامی حکومت اس پر اپنے ردعمل کا مظاہرہ کرتی ہے اور ان لوگوں کو ایسے اعمال وافعال انجام دینے سے روکتی ہے اور اگر وہ اصرار کرتے ہیں تو انہیں سزا دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے اس اقدام سے آزادی عقیدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا مقصد معاشرہ کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی سرحدوں کی حفاظت ونگہداری ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو اسے بہر حال پورا کرنا ہے۔پس یہ آزادی ایسے عقیدہ واعمال کی حد تک محدود

ہے جن سے اسلامی معاشرہ کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔

آزادی عقائد کے سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ باطل ومخالف عقیدہ کے سلسلے میں اسلام کی بلندنگاہی اور وسیع القلبی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ لوگ باطل غلط ، انحرافی اور گمراہ عقائد کے بھنور میں پھنسے رہیں۔ ایک انسان کا عقیدہ ہی اس کی زندگی کی بنیاد ہے اور یہ بات بھی ناقابل تردید حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ اسلام ایک بشردوست مذہب ہے لیکن وہ اس بات کے لئے ہرگز راضی نہیں ہے کہ انسان باطل عقائد کے سمندر میں غوطہ لگاتے رہیں اور وہ ان کی نجات کی فکر نہ کرے۔نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلام ان لوگوں کی نجات ومدد کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے البتہ اس کوشش میں طاقت کا استعمال شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ فاسد عقائد جن بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں اسلام ان بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں سرگرم ہوجاتا ہے۔کبھی ایک غلط اعتقاد کی بنیاد ایک انسان کی ذاتی خصوصیت کا رنگ وروپ اختیار کرلیتی ہے ۔بعض افراد ایک بنیادی فکر یا اعتقاد کے انتخاب میں خود پسند ضدی اور متعصب ہونے کی وجہ سے جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور یہ نفسانی خواہشات وخصوصیات ہی انہیں انحراف عقیدہ کا شکار بنادیتا ہے ۔ اسلام ایسے لوگوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ اسلام اپنے تربیتی نظام کا سایہ میں لوگوں کو ایسی فکر کا حامل بنادیتا ہے کہ اعمال وعقائد کے سلسلے میں ضد اور ہٹ دھرمی سے دور رہیں اور اپنے بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے اس کے بارے میں قطعی تعصب سے کام نہ لیں۔

اسلام اجتماعی نظام میں ، مختلف قسم کے ناجائز اور غلط استعمالات وفائدوں کی روک تھام کرتا ہے اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ اقتصادی یا ثقافتی شعبہ میں کسی قسم کا کوئی ناجائز یا غلط فائدہ اٹھا سکے۔ اس کڑی روک تھام اور پابندی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انحرافی رجحانات کی جڑیں سوکھ جائیں۔

کبھی کبھی حق بات نہ سننے اور حق بات کی تبلیغ کے فقدان کی وجہ سے لوگ فکری اور

عقیدتی انحراف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلام اپنے سماجی ڈھانچے کی تشکیل کے دوران اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ لوگ حق کی شناخت وتبلیغ سے محروم رہ جائیں بلکہ وہ لوگوں کو حقائق سے بخوبی آشنا کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی وجہ سے اس نے تبلیغ دین یعنی حق بات کو لوگوں تک پہونچانے کی ذمہ داری تمام مسلمانوں کے سپرد کر رکھی ہے۔ اس فریضہ وذمہ داری کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی انسان ابہام وکج فکری کا شکار نہ ہونے پائے اور عقائد حق کی شناخت کا راستہ پوری طرح واضح ہو جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اسلام فتنہ گری اور عقائد حقہ پر کسی قسم کے دباؤ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور مسئلہ ارتداد سے متعلق اسلامی اصول وقوانین کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

ایک سوال کا جواب: مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ممکن ہے کہ اسلام میں موجود بعض مسائل کے سلسلے میں کچھ تردیدات وجود میں آئیں۔ ان میں سے ایک تردید قرآن مجید میں کفار ومشرکین اور باطل عقائد والوں کے سلسلے میں موجود آیات سے مربوط ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اگر اسلام آزادی عقیدہ کو اپنے معاشرہ میں پوری طرح رائج رکھنا چاہتا ہے تو پھر باطل عقائد کے بارے میں قرآن مجید میں اتنی زیادہ آیات کیوں پائی جاتی ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آیہ کریمہ، جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے، مسلمانوں کے نام یہ حکم جاری نہیں کرتی ہے کہ کسی کافر کو اس کے اعمال نہیں بلکہ عقیدہ کی وجہ سے رنج ومصائب کا نشانہ بنایا جائے۔ کفار کے خلاف جنگ کرنے کی بات اس وقت کہی گئی ہے جب کافر اسلامی نظام واسلامی عقائد کے خلاف حملہ آور جنگ ونبرد آزمائی پر آمادہ ہو۔ حملہ وتجاوز کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی معاشرہ کا دفاع کریں یا بعض قرآنی آیات کا تعلق ان سرداران کفر اور ملحد وطاغوتی نظام کے رہنماؤں سے ہے جو قوموں کو اپنا قیدی بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اعتقاد کفر کے سلسلے میں ہمیں قرآن مجید میں ایک آیت ملتی ہے جو خصوصی طور پر مسلمانوں کو یہ حکم دیتی ہے کہ اس

اعتقاد کے رکھنے والوں کے ساتھ، اگر انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تجاوز یا تعرض نہیں کیا تو خوش اخلاقی سے کام لیا جائے۔

سورۂ مبارکہ ممتحنہ کی ساتویں آیت میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔" لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلونکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم لتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔"

یعنی خداوند عالم ان کافروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے نہیں روکتا ہے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے سے بھی منع نہیں کرتا ہے جن لوگوں نے تمہارے دین کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی نہیں کی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ خداوند عالم ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ خداوند عالم تو نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں عدل وانصاف کا مطلب اس معاشرہ کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ونگہداری کرنا ہے کیونکہ وہ مرد کافر بھی اسی معاشرہ کا ایک فرد ہے۔فقط اتنا ہی نہیں بلکہ جو لوگ اسلامی معاشرہ کے باہر بھی زندگی بسر کررہے ہیں لیکن اسلامی نظام ،مسلمان عوام اور مذہب اسلام کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی نہیں کرتے ہیں ان کے حقوق کی حفاظت کرنا بھی اسلامی عدل وانصاف کا اٹوٹ حصہ ہے۔

دوسرا سوال تاریخی اعتبار سے شہرت یافتہ بت شکنی سے وابستہ ہے۔جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اور تاریخ توحید میں بہت سے نمایاں اور غیر معمولی اہمیت کے حامل واقعات دکھائی دیتے ہیں جس میں خود پیغمبروں نے بت شکنی کا کام انجام دیا ہے اور ان بتوں کو توڑ کر نابود کردیا جو کچھ لوگوں کے ایمان وتقدیس کا سرمایا ہوا کرتے تھے۔اس سلسلے میں سے ایک نمونہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور دوسرا نمونہ حضرت رسول اکرمؐ سے منسوب ہے جو اس وقت رونما ہوا جب فتح مکہ کے بعد پیغمبر اکرمؐ شہر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ممکن ہے کہ اس واقعہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے لوگ یہ سمجھ بیٹھیں کہ اسلام میں عقیدہ کی

آزادی کی گنجائش نہیں ہے اور یہ مذہب عقیدہ کی آزادی کا مخالف ہے۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کا مقصد تو اس دور کے خوابیدہ ذہنوں کو بیدار کرنا رہا ہے کیونکہ اس زمانے کا انسانی معاشرہ جہالت ولاعلمی میں مبتلا رہا ہے اور ان لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کا شرک اور شرک آلود معاشرہ سے اٹوٹ رابطہ رہا ہے۔ اس معاشرہ میں نہ کبھی حق کی آواز بلند ہوئی اور نہ ان کے کانوں تک حق کی آواز پہونچ سکی۔ اگر ان لوگوں کو اس خواب گراں سے بیدار کرنا مقصود ہے تو یہ کام فقط ایک عظیم تحریک کے ذریعہ ہی ممکن ہے لہذا حضرت ابراہیمؑ اپنی جوانی کے زمانہ میں بتخانہ کے اندر تشریف لے گئے اور ان بتوں کو ہتھوڑے سے توڑ ڈالا لیکن بڑے بت کو نہ توڑا بلکہ ہتھوڑا اس بڑے بت کے گردن میں لٹکا دیا۔ انھوں نے یہ کام اس زمانے کے خوابیدہ ذہن لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے انجام دیا تھا تا کہ وہ لوگ عقل وشعور سے کام لیں۔ اسکے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں سے ایسی گفتگو کی اور خداوند عالم کے اس صالح بندے نے ایسی عاقلانہ راہ وروش کا استعمال کیا کہ وہ لوگ ذہنی طور پر پوری طرح بیدار ہوگئے اور ان کے ذہنوں پر پڑی ہوئی غفلت ونادانی کی گرد صاف ہوگئی۔ قرآن مجید حضرت ابراہیمؑ کی گفتگو کے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ ''فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون۔'' یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اپنی اس حرکت اور گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کے ذہنوں کو جھنجوڑ چکے اور ان لوگوں پر اپنی گفتگو کا خاطر خواہ اثر مرتب کر چکے تو وہ لوگ خود بخود حقیقت کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان لوگوں نے آپس میں اس موضوع پر بحث ومباحثہ شروع کردیا۔ ان لوگوں کا ضمیر بیدار ہوچکا تھا لہذا ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہم لوگ خود ہی ظالم ہیں اور ہمیں ابراہیم پر لعنت وملامت نہ کرنی چاہئے۔

بالکل اسی طرح پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں جو بت شکنی انجام دی تھی اس کا مقصد مکہ والوں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرنا نہیں تھا۔ پیغمبرؐ بت شکنی کا کارنامہ انجام دیتے ہوئے درحقیقت طاغوتی نظام کی علامتوں کو نیست ونابود کردینا چاہتے تھے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے

کسی ملک میں انقلاب برپا کرنے والے لوگ اس دور میں رائج نظام کی تمام علامتوں اور نشانیوں کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ دور جانے کی بات نہیں ہے بلکہ خود ہمارے ملک میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے دوران ظالم شاہی حکومت کی جملہ علامتوں کو پوری طرح مٹا دینا چاہتے تھے لہذا انھوں نے ملک کے چوراہوں، پارکوں اور عمومی مقامات پر نصب شاہی حکومت کی ہر نشانی کو پوری طرح نابود کردیا۔ پس پیغمبر اکرمؐ نے بھی ان بتوں کو جو اس وقت کی مشرکانہ حکومت کی علامت تھے اور خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے، زمین پر پٹک دیا اور وہ پوری طرح چکنا چور ہوگئے۔ پس واضح رہے کہ بت شکنی کا مقصود طاغوتی حکومت کی نشانی کا خاتمہ تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پ سرزمین مکہ میں داخل ہوئے بھی انھوں نے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا ظلم نہیں کیا اور انہیں طاقت کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر ہرگز مجبور بھی نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے مکہ والوں کے گھروں کی تلاشی لی کہ کس گھر میں چھوٹے بڑے بتوں کو چھپا رکھا ہے اور نہ کسی کے گھر سے بت نکال کر اسے نابود کیا۔

درحقیقت پیغمبر اکرمؐ نے باطل اور جاہل حکومت یا نظام کی علامتوں اور نمونوں کو نابود کردیا جس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انھوں نے ایک قلبی عقیدہ وایمان کو قبول کروانے کے لئے طاقت کا استعمال کیا تھا۔

مسئلہ ارتداد کے سلسلے میں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ اسلام نے مرتد کے سلسلے میں غیر معمولی شدت سے کام لیا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد اسلام سے علحدگی اختیار کرتے ہوئے دوبارہ کفر کی طرف مائل ہوگئے ان کے ساتھ اسلام نے غیر معمولی شدت اور سختی سے پیش آنے کی بات کہی ہے جس کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے ایمان واعتقاد کے سلسلے میں طاقت کا استعمال کیا ہے۔

مسئلہ ارتداد کے سلسلے میں موجود قرآنی آیات سے شاید یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اسلام اپنے اس عمل کے ذریعہ اسلامی ایمان واعتقاد کے حصار کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے ایمان لانے کے بعد اسلام، اسلامی نظام پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان لانے کی حفاظت کرے۔ دوسری عبارت میں اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان کی بھرپور حفاظت کرے۔ ارتداد کے بارے میں نازل ہونے والی آیہ کریمہ میں وارد ہے۔ ''من کفر بعد ایمانه الاومن اکره وقلبه مطمئن بالایمان۔'' یہ آیت حضرت عمار یاسر کے سلسلے میں نازل ہوئی اور اس آیہ کریمہ کے آخر میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ ''ذالک بانهم استهبوا الحیاة الدنیا علی الآخره۔''

دین کے دائرہ سے خارج ہوجانے والے مرتدین کے سلسلے میں خداوند عالم کے غیض وغضب کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیوی زندگی اور عیش وعشرت ونفسانی خواہشات کو انسان کے فطری، قلبی اور روحانی مطالبات اور آخرت پر ترجیح دی۔ پس بات فقط ایک اعتقاد کی تبدیلی کی نہیں تھی بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے مادی کشش ونفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اسلامی نظام کی حیثیت عرفی کو نقصان پہونچائیں اور اسلام سے روگردانی اختیار کرلیں۔ یہ کوئی عام اور معمولی بات نہیں ہے اور اسلام نے اس سلسلے میں اسی وجہ شدت سے کام لیا ہے۔

البتہ یہ بات بھی پوری طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں مذہبی ایمان واعتقاد کی آزادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے مکاروں اور فریب کاروں کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ میں لوگوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالیں۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ مادی کشش اور انسانی ہوس پر مبنی پروگراموں کے ذریعہ کمزور دل لوگوں کو اپنی طرف راغب کرلیں۔ اگر ان فریب کاروں کو اسلامی سماج میں اس قسم کی آزادی عمل حاصل ہوجائے تو یہ لوگ سماج کے سادہ لوح لوگوں کو اپنی طرف ضرور راغب کرلیں گے اور وہ لوگ ان مکاروں کے عمل سے متاثر ہوکر راہ حق سے منحرف اور گمراہ ہوجائیں گے اور اس طرح وہ لوگوں کو بہشت سے نکال

کر دوزخ میں لے جائیں گے۔" والذین کفروا اؤلیائھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت ۔" اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ جن لوگوں کا قلب نور ایمان سے منور ہوچکا ہے وہ ان طاغوتی اولیا کے ذریعہ دوبارہ تاریکی کی طرف گھسیٹ لئے جائیں لہٰذا اسلام نے ایسے اعتقادی مسائل کی تبلیغ و اشاعت کی روک تھام کا مکمل اہتمام کیا ہے جو عام لوگوں کے ایمان کو کمزور بناتے ہیں اور ان کے ایمان کی دولت پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ ایسی طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مختلف اسلامی احکام موجود ہیں۔

آزادی کے سلسلے میں دو اہم باتیں:

آزادی کے سلسلے میں دو اہم باتوں کی طرف متوجہ رہنا لازمی ہے۔

الف: آزادی کے مفہوم کے سلسلے میں آزاد خیالی:

اس کا مطلب ہے کہ مستقل غور وفکر سے کام لیں اور کسی کی فکری تقلید وپیروی ہرگز نہ کریں۔ اگر اس مسئلہ میں، جو ہماری بہت سی ترقیوں کی بنیاد ہے، یہ طے ہوگیا کہ ہم لوگ دوسروں کی تقلید وپیروی کرتے رہیں اور اپنی آنکھوں کو فقط اسی دریچہ کی طرف کھولیں جہاں سے مغربی افکار وعقائد کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو یہ ایک بڑی غلطی ہے اور اس بڑی بھول کے تلخ وخطرناک نتائج بہرحال جھیلنے پڑیں گے۔

ب: آزادی کا ناجائز استعمال نہ کیا جائے۔ بعض افراد باربار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ آزادیاں حال ہی میں حاصل ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور بیگانہ ریڈیوں کے ذریعہ اس بات کی تبلیغ واشاعت کی گئی ہے۔ سردست اخباروں اور رسالوں میں لوگ ایسی باتیں لکھ رہے ہیں اور ایسے ایسے اعتراضات کررہے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ گذشتہ دور میں اس طرح حرکت نہیں کرتے تھے گذشتہ برسوں میں ہم لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ لوگ صدر جمہوریہ اور دیگر اعلیٰ اراکین حکومت کے

خلاف اپنے اعتراض آمیز خیالات کے اظہار سے قطعی نہیں ہچکچاتے۔ یہاں تک کہ بعض افراد نے انقلاب کے بنیادی اصولوں پر بھی نکتہ چینی کی لیکن کسی نے ان لوگوں سے کچھ نہیں کہا۔

اس وقت بھی اگر لوگ مخالفت کرتے تھے اور اپنی راہ وروش کے ذریعہ منطقی سرحدوں کو توڑ دیتے تھے تو ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی تھی۔ آج بھی بالکل وہی ہو رہا ہے اور اس میں ذرہ برابر کوئی فرق یا تبدیلی نہیں ہے۔ اگر آج بھی لوگ ظلم وفساد اور انحرافانہ عمل انجام دیتے ہیں ت ماضی کی طرح آج بھی ان کے خلاف قانونی قدم اٹھایا جاتا رہا ہے پس یہ ہرگز نہ کہنا چاہئے کہ آزادی حال ہی میں حاصل ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ذمہ دار افراد اخباری نمائندوں کے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران باربار یہ اعلان کیا کرتے ہیں کہ آزادیوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے کہیں اصل آزادی سے محروم نہ ہونا پڑ جائے۔ یہ کیسی بات ہے؟ آزادی سے تو جتنا زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے بہتر ہے لیکن سرحد سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔ لوگ خداداد حقوق سے جتنا زیادہ فائدہ حاصل کریں گے اسلامی نظام کو اپنے مقصد میں اتنی زیدہ کامیابی حاصل ہوگی لیکن اس سلسلے میں حقیقی سرحدوں کو نگاہ میں رکھنا لازمی ہے۔ واضح رہے کہ یہ سرحدیں ایسی نہیں ہیں کہ کوئی حکومت اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ان کا تعین کرے۔ اگر دنیا کی دیگر حکومتیں اپنے مفاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے سرحدوں کا تعین کرتی ہیں تو کریں لیکن اسلامی جمہوری نظام میں ایسا بالکل ممکن نہیں ہے۔

اسلامی جمہوری نظام کی بنیاد عدالت پر قائم ہے یعنی اگر قائد عدالت کے اصول سے الگ ہٹ جائے تو اس کی قیادت خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور اس کی قیادت کے خاتمہ کے لئے کسی دوسرے سبب کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ ایسے نظام حکومت میں کسی مخصوص گروہ، جماعت یا حکومتی نظریہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے سرحدوں کا تعین کیا جائے۔ سرحدیں وہی اسلامی سرحدیں ہیں۔ وہی چیزیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں اور دین کی صحیح فہم کے بموجب جن کو دین کی سرحد تسلیم کیا گیا ہے وہی سرحدیں آج بھی معتبر ہیں اور انہیں کو نگاہ میں رکھنا

ہے۔ اگر ان سرحدوں کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے تو اس خلاف ورزی کے لئے حکومت کے ذمہ دار لوگ جوابدہ ہیں۔ ان سرحدوں کے اندر آزادی جیسی دلکش چیز موجود ہے جس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں غیر ذمہ دارانہ خیالات کو ہرگز پسند نہیں کرتا لہٰذا اس کی تکرار مناسب نہیں ہے۔

مختصر لفظوں میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی کا مقولہ ومحاورہ درحقیقت ایک اسلامی محاورہ ہے لہٰذا ہم لوگوں کو اسلامی نقطہ نظر سے اس کے بارے میں غور فکر کرنی چاہئے اور اس کے جملہ نتائج کو ایک اسلامی حرکت اور ایک شرعی فریضہ تصور کرنا چاہئے اور سماج میں جو کچھ موجود ہے اس کی قدر کرنی چاہئے اور ان امکانات سے ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہئے اور صاحبان فکر کو اس سلسلے میں زیادہ سے غور وفکر کرنی چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆